ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۴۰	شعبان، رمضان سنہ ۱۳۷۲ھ مطابق مئی، جون سنہ ۱۹۵۳ء	عدد ۲، ۳

ابوالخیر مودودی پرنٹر پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ، لاہور
سے شائع کیا

تفہیم القرآن

طٰہٰ

زمانۂ نزول | اس سورۃ کا زمانہ نزول سورۂ مریم کے زمانے سے قریب ہی کا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ہجرت حبشہ کے زمانے میں یا اس کے بعد نازل ہوئی ہو۔ بہرحال یہ امر یقینی ہے کہ حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام سے پہلے یہ نازل ہو چکی تھی۔

اُن کے قبولِ اسلام کی سب سے زیادہ مشہور اور معتبر روایت یہ ہے کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی نیت سے نکلے تو راستہ میں ایک شخص نے ان سے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری اپنی بہن اور بہنوئی اس نئے دین میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر سیدھے بہن کے گھر پہنچے۔ وہاں اُن کی بہن فاطمہ بنت خطاب اور ان کے بہنوئی سعید بن زید بیٹھے ہوئے حضرت خبّاب بن اَرت سے ایک صحیفے کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ حضرت عمر کے آتے ہی ان کی بہن نے صحیفہ فوراً چھپا لیا۔ مگر حضرت عمر اس کے پڑھنے کی آواز سن چکے تھے۔ انہوں نے پہلے کچھ پوچھ گچھ کی۔ اس کے بعد بہنوئی پر پل پڑے اور مارنا شروع کر دیا۔ بہن نے بچانا چاہا تو انہیں بھی مارا یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا۔ آخر کار بہن اور بہنوئی دونوں نے کہا کہ ہاں، ہم مسلمان ہو چکے ہیں، تم سے جو کچھ ہو سکے کر لو۔ حضرت عمر اپنی بہن کا خون بہتے دیکھ کر کچھ پشیمان سے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اچھا مجھے بھی وہ چیز دکھاؤ جو تم لوگ پڑھ رہے تھے۔ بہن نے پہلے قسم لی کہ وہ اسے پھاڑ نہ دیں گے پھر کہا کہ تم جب تک غسل نہ کر لو، اس پاک صحیفے کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ حضرت عمر نے غسل کیا اور پھر وہ صحیفہ لے کر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں یہی سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ پڑھتے پڑھتے یک لخت ان کی زبان سے نکلا "کیا خوب کلام ہے"۔ یہ سنتے ہی حضرت خبّاب بن اَرت، جو اُن کی آہٹ پاتے ہی چھپ گئے تھے، باہر آ گئے اور کہا کہ "بخدا مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے اپنے نبی کی دعوت پھیلانے میں بڑی خدمت لے گا۔ کل ہی میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ خدایا، ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطاب، دونوں میں سے کسی کو اسلام کا حامی بنا دے۔ پس اے عمر، اللہ کی طرف چلو، اللہ کی طرف چلو"۔ اس فقرے نے رہی سہی کسر پوری

کر دی اور اُسی وقت حضرت خبابؓ کے ساتھ جا کر حضرت عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام قبول کر لیا۔ یہ ہجرت حبشہ سے تھوڑی مدت بعد ہی کا قصہ ہے۔

<u>موضوع و مبحث</u> | سورہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ اے محمدؐ! یہ قرآن تم پر کچھ اس لیے نازل نہیں کیا گیا ہے کہ خواہ مخواہ بیٹھے بٹھائے تم کو ایک مصیبت میں ڈال دیا جائے۔ تم سے یہ مطالبہ نہیں ہے کہ پتھر کی چٹانوں سے دودھ کی نہر نکالو، نہ ماننے والوں کو منوا کر چھوڑو، اور ہٹ دھرم لوگوں کے دلوں میں ایمان پیدا کر کے دکھاؤ۔ یہ تو بس ایک نصیحت اور یاددہانی ہے تاکہ جس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور جو اُس کی پکڑ سے بچنا چاہے وہ سن کر سیدھا ہو جائے۔ یہ مالکِ زمین و آسمان کا کلام ہے۔ اور خدائی اُس کے سوا کسی کی نہیں ہے۔ یہ دونوں حقیقتیں اپنی جگہ اٹل ہیں، خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

اس تمہید کے بعد یکایک حضرت موسیٰؑ کا قصہ چھیڑ دیا گیا ہے۔ بظاہر یہ محض ایک قصے کی شکل میں بیان ہوتا ہے۔ وقت کے حالات کی طرف اس میں کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔ مگر جس ماحول میں یہ قصہ سنایا گیا ہے، اُس کے حالات سے مل جل کر یہ اہلِ مکہ سے کچھ اور باتیں کرتا نظر آتا ہے جو اس کے الفاظ سے نہیں بلکہ اس کے بین السطور سے ادا ہو رہی ہیں۔ اُن باتوں کی تشریح سے پہلے یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ عرب میں کثیر التعداد یہودیوں کی موجودگی اور اہلِ عرب پر یہودیوں کے علمی و ذہنی تفوق کی وجہ سے، نیز روم اور حبش کی عیسائی سلطنتوں کے اثر سے عربوں میں بالعموم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا کا نبی تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس حقیقت کو نظر میں رکھنے کے بعد اب دیکھیے کہ وہ باتیں کیا ہیں جو اس قصے کے بین السطور سے اہلِ مکہ کو بتائی گئی ہیں:-

(۱) اللہ تعالیٰ کسی کو نبوت اس طرح عطا نہیں کیا کرتا کہ ڈھول تاشے اور نفیریاں بجا کر ایک خلق اکٹھی کر لی جائے اور پھر باقاعدہ ایک تقریب کی صورت میں یہ اعلان کیا جائے کہ آج سے فلاں شخص کو ہم نے نبی مقرر کیا ہے۔ نبوت تو جس کو بھی دی گئی ہے، کچھ اسی طرح بصیغۂ راز دی گئی ہے جیسے حضرت موسیٰ کو دی گئی تھی۔ اب تمہیں کیوں اس بات پر اچنبھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یکایک نبی بن کر تمہارے سامنے آ گئے اور اس کا اعلان نہ آسمان سے ہوا نہ زمین پر فرشتوں نے چل پھر کر اس کا ڈھول پیٹا۔ ایسے

اعلانات پہلے نبیوں کے تقرر پر کب ہوئے تھے کہ آج ہوتے ؟

(۲) جو بات آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں (یعنی توحید اور آخرت) ٹھیک وہی بات منصبِ نبوت پر مقرر کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو سکھائی تھی۔

(۳) پھر جس طرح آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر کسی سر و سامان اور لاؤ لشکر کے تن تنہا قریش کے مقابلے میں دعوتِ حق کا علَم بردار بنا کر کھڑا کر دیا گیا ہے، ٹھیک اسی طرح موسیٰ علیہ السلام بھی یکایک اتنے بڑے کام پر مامور کر دیے گئے تھے کہ جا کر فرعون جیسے جبار بادشاہ کو سرکشی سے باز آنے کی تلقین کریں۔ کوئی لشکر اُن کے ساتھ بھی نہیں بھیجا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے معاملے ایسے ہی عجیب ہیں۔ وہ مَدیَن سے مصر جانے والے ایک مسافر کو راہ چلتے پکڑ کر بلا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ جا اور وقت کے سب سے بڑے جابر حکمران سے ٹکرا جا۔ بہت کیا تو اس کی درخواست پر اس کے بھائی کو مددگار کے طور پر دے دیا۔ کوئی فوج فرا اور ہاتھی گھوڑے اس کارِ عظیم کے لیے اس کو نہیں دیے گئے۔

(۴) جو اعتراضات اور شبہات اور الزامات اور مکر و ظلم کے ہتھکنڈے اہلِ مکہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں استعمال کر رہے ہیں اُن سے بڑھ چڑھ کر وہی سب ہتھیار فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں استعمال کیے تھے۔ پھر دیکھ لو کہ کس طرح وہ اپنی ساری تدبیروں میں ناکام ہُوا اور آخر کار کون غالب آ کر رہا؟ خدا کا بے سر و سامان نبی؟ یا لاؤ لشکر والا فرعون؟ اس سلسلہ میں خود مسلمانوں کو بھی ایک غیر ملفوظ تسلی دی گئی ہے کہ اپنی بے سر و سامانی اور کفارِ قریش کے سر و سامان پر نہ جائیں، جس کام کے پیچھے خدا کا ہاتھ ہوتا ہے وہ آخر کار غالب ہی ہو کر رہتا ہے۔ اسی کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے ساحرانِ مصر کا نمونہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ جب حق اُن پر منکشف ہو گیا تو وہ بے دھڑک اس پر ایمان لے آئے اور پھر فرعون کے انتقام کا خوف انہیں بال برابر بھی ایمان کی راہ سے نہ ہٹا سکا۔

(۵) آخر میں بنی اسرائیل کی تاریخ سے ایک شہادت پیش کرتے ہوئے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دیوتاؤں اور معبودوں کے گھڑے جانے کی ابتدا کس مضحکہ انگیز طریقے سے ہُوا کرتی ہے اور یہ کہ خدا کے

نبی اس گھناؤنی چیز کا نام و نشان تک باقی رہنے کے کبھی روادار نہیں ہوئے ہیں۔ پس آج اس شرک اور بت پرستی کی جو مخالفت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے ہیں وہ نبوت کی تاریخ میں کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے۔

اس طرح قصۂ موسیٰ کے پیرائے میں اُن تمام معاملات پر روشنی ڈالی گئی ہے جو اُس وقت اُن کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باہمی کشمکش سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے بعد ایک مختصر وعظ کیا گیا ہے کہ بہر حال یہ قرآن ایک نصیحت اور یاد دہانی ہے جو تمہاری اپنی زبان میں تم کو سمجھانے کے لیے بھیجی گئی ہے اِس پر کان دھرو گے اور اس سے سبق لو گے تو اپنا ہی بھلا کرو گے۔ نہ مانو گے تو خود بُرا انجام دیکھو گے۔

پھر آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کر کے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جس روش پر تم لوگ جا رہے ہو یہ دراصل شیطان کی پیروی ہے۔ اِحیاناً شیطان کے بہکائے میں آجانا تو خیر ایک وقتی کمزوری ہے جس سے انسان بمشکل ہی بچ سکتا ہے مگر آدمی کے لیے صحیح طریق کار یہ ہے کہ جب اس پر اس کی غلطی واضح کر دی جائے تو وہ اپنے باپ آدم کی طرح صاف صاف اس کا اعتراف کرے، توبہ کرے، اور پھر خدا کی بندگی کی طرف پلٹ آئے۔ غلطی اور اُس پر ہٹ اور نصیحت پر نصیحت کیے جانے پر بھی اُس سے باز نہ آنا، اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنا ہے۔ جس کا نقصان آدمی کو خود ہی بھگتنا پڑے گا کسی دوسرے کا کچھ نہ بگڑے گا۔

آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ ان منکرین حق کے معاملے میں جلدی اور بے صبری نہ کرو۔ خدا کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ کسی قوم کو اس کے کفر و انکار پر فوراً نہیں پکڑ لیتا بلکہ سنبھلنے کے لیے کافی مہلت دیتا ہے۔ لہٰذا گھبراؤ نہیں۔ صبر کے ساتھ ان لوگوں کی زیادتیاں برداشت کرتے چلے جاؤ۔ اور نصیحت کا حق ادا کرتے رہو۔

اسی سلسلے میں نماز کی تاکید کی گئی ہے تاکہ اہلِ ایمان میں صبر، تحمل، قناعت، رضا بقضا اور احتساب کی وہ صفات پیدا ہوں جو دعوتِ حق کی خدمت کے لیے مطلوب ہیں۔

اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے

طٰہٰ، ہم نے یہ قرآن تم پر اس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ یہ تو ایک یاد دہانی ہے ہر اس شخص کے لیے جو ڈرےلہ۔ نازل کیا گیا ہے اُس ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا ہے زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔ وہ رحمان (کائنات کے) تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہےلہ۔ مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور جو زمین و آسمان کے درمیان ہیں اور جو مٹی کے نیچے ہیں۔ تم چاہے اپنی بات پکار کر کہو، وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات بلکہ اس سے مخفی تر بات بھی جانتا ہےلہ۔ وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں، اس کے لیے بہترین نام ہیںلہ۔

اور تمہیں کچھ موسیٰ کی خبر بھی پہنچی ہے؟ جبکہ اس نے ایک آگ دیکھیلہ اور اپنے گھر والوں سے کہا کہ

لہ یہ نقرہ پہلے فقرے کے مفہوم پر خود روشنی ڈالتا ہے۔ دونوں کو ملا کر پڑھنے سے صاف مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کو نازل کر کے ہم کوئی اَن ہونا کام تم سے نہیں لینا چاہتے۔ تمہارے سپرد یہ خدمت نہیں کی گئی ہے کہ جو لوگ نہیں ماننا چاہتے اُن کو منوا کر چھوڑو اور جن کے دل ایمان کے لیے بند ہو چکے ہیں ان کے اندر ایمان اتار کر ہی رہو۔ یہ تو بس ایک تذکیر اور یاد دہانی ہے اور اس لیے بھیجی گئی ہے کہ جس کے دل میں خدا کا کچھ خوف ہو وہ اسے سن کر ہوش میں آجائے۔ اب اگر کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں خدا کا کچھ خوف نہیں، اور جنہیں اس کی کچھ پروا نہیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا، ان کے پیچھے پڑنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں۔

لہ یعنی پیدا کرنے کے بعد کہیں جا کر نہیں سو گیا ہے، بلکہ آپ اپنے کارخانۂ تخلیق کا سارا انتظام چلا رہا ہے، خود اِس ناپیدا کنار سلطنت پر فرمانروائی کر رہا ہے، خالق ہی نہیں ہے بالفعل حکمراں بھی ہے۔

لہ یعنی کچھ ضروری نہیں ہے کہ جو ظلم و ستم تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر ہو رہا ہے اور جن شرارتوں اور خباثتوں سے تمہیں نیچا دکھانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں اُن پر تم باواز بلند ہی فریاد کرو۔ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ تم پر کیا کیفیت گزر رہی ہے۔ وہ تمہارے دلوں کی پکار تک سن رہا ہے۔

لہ یعنی وہ بہترین صفات کا مالک ہے۔

لہ یہ اُس وقت کا قصہ ہے جبکہ حضرت موسیٰ چند سال مدین میں جلاوطنی کی زندگی گزارنے کے بعد (باقی صفحہ پر)

"ذرا ٹھیرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید کہ تمہارے لیے ایک آدھ انگارا لے آؤں، یا اس آگ پر مجھے راستے کے متعلق کوئی رہنمائی مل جائے[1]۔

وہاں پہنچا تو پکارا گیا "اے موسیٰ! میں ہی تیرا رب ہوں۔ جوتیاں اتار دے۔ تو وادیٔ مقدس طُویٰ[2] میں ہے۔ اور میں نے تجھ کو چُن لیا ہے، سُن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے۔ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تو میری بندگی کر اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کر[3]۔ قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔ میں اُس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں، تاکہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے[4]۔ پس کوئی ایسا

(بقیہ حاشیہ صلہ) کے بعد اپنی بیوی کو (جن سے مدین ہی میں شادی ہوئی تھی)، لیکر مصر کی طرف واپس جا رہے تھے۔ اس سے پہلے کی سرگزشت سورۂ قصص میں بیان ہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ کے ہاتھوں ایک مصری ہلاک ہو گیا تھا اور اُس پر ان کی گرفتاری کا اندیشہ لاحق ہو گیا تھا تو وہ مصر سے بھاگ کر مدین میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔

[1] ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ رات کا وقت تھا اور جاڑے کا زمانہ تھا۔ حضرت موسیٰ جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی علاقے سے گزر رہے تھے۔ دُور سے ایک آگ دیکھ کر انہوں نے خیال کیا کہ یا تو وہاں سے تھوڑی سی آگ مل جائے گی تاکہ بال بچوں کو رات بھر گرم رکھنے کا بندوبست ہو جائے، یا کم از کم وہاں سے یہ پتہ چل جائے گا کہ آگے راستہ کدھر ہے۔ خیال کیا تھا دنیا کا راستہ ملنے کا، اور وہاں مل گیا عقبیٰ کا راستہ۔

[2] عام خیال یہ ہے کہ "طُویٰ" اس وادی کا نام تھا۔ مگر بعض مفسرین نے "وادِ مقدس طُویٰ" کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ "وہ وادی جو ایک ساعت کے لیے مقدس کر دی گئی ہے"۔

[3] یہاں نماز کی اصل غرض پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ آدمی خدا سے غافل نہ ہو جائے، دنیا کے دھوکا دینے والے مظاہر اُس کو اِس حقیقت سے بے فکر نہ کر دیں کہ میں کسی کا بندہ ہوں، آزاد و خود مختار نہیں ہوں۔ اِس فکر کو تازہ رکھنے اور خدا سے آدمی کا تعلق جوڑے رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ نماز ہے جو ہر روز کئی بار آدمی کو دنیا کے ہنگاموں سے ہٹا کر خدا کی طرف لے جاتی ہے۔

[4] توحید کے بعد دوسری حقیقت جو ہر زمانے میں تمام انبیاء علیہم السلام پر منکشف کی گئی اور جس کی تعلیم دینے پر وہ مامور کیے گئے، آخرت ہے۔ یہاں نہ صرف اُس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے بلکہ اس کے مقصد (باقی صفحہ ۸ پر)

شخص جو اُس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہشِ نفس کا بندہ بن گیا ہے تجھ کو اُس گھڑی کی فکر سے نہ روک دے، ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائے گا ــــــ اور اے موسیٰ! یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟[۱۱]

موسیٰ نے جواب دیا "یہ میری لاٹھی ہے، اس پر ٹیک لگا کر چلتا ہوں، اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں، اور بھی بہت سے کام ہیں جو اس سے لیتا ہوں"[۱۲]۔

فرمایا "پھینک دے اس کو موسیٰ"۔

اس نے پھینک دیا اور یکایک وہ ایک سانپ تھی جو دوڑ رہا تھا۔

فرمایا "پکڑ لے اس کو اور ڈر نہیں، ہم اسے پھر ویسا ہی کر دیں گے جیسی یہ تھی۔ اور ذرا اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا، چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف[۱۳] کے۔ یہ دوسری نشانی ہے۔ اس لیے کہ ہم تجھے اپنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷) پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ ساعتِ منتظرہ اس لیے آئے گی کہ ہر شخص نے دنیا میں جو سعی کی ہے اس کا بدلہ آخرت میں پائے۔ اور اس کے وقت کو مخفی بھی اس لیے رکھا گیا ہے کہ آزمائش کا مدعا پورا ہو سکے۔ جسے عاقبت کی کچھ فکر ہو اس کو ہر وقت اِس گھڑی کا کھٹکا لگا رہے اور یہ کھٹکا اسے بے راہ روی سے بچاتا رہے۔ اور جو دنیا ہی کا ہو رہنا چاہتا ہو وہ اِس خیال میں مگن رہے کہ قیامت ابھی کہیں دور دور بھی آتی نظر نہیں آتی۔

[۱۱] یہ سوال طلبِ علم کے لیے نہ تھا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کو بھی معلوم تھا کہ موسیٰ کے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔ پوچھنے کا مقصود یہ تھا کہ لاٹھی کا لاٹھی ہونا حضرت موسیٰ کے ذہن میں اچھی طرح مستحضر ہو جائے اور پھر وہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ دیکھیں۔

[۱۲] اگرچہ جواب میں صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ حضور، یہ لاٹھی ہے۔ مگر حضرت موسیٰ نے اس سوال کا جو لمبا جواب دیا وہ ان کی اُس وقت کی قلبی کیفیت کا ایک دلچسپ نقشہ پیش کرتا ہے۔ قاعدے کی بات ہے کہ جب آدمی کو کسی بہت بڑی شخصیت سے بات کرنے کا موقع مل جاتا ہے تو وہ اپنی بات کو طول دینے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ دیر تک اُس کے ساتھ ہم کلامی کا شرف حاصل ہو۔

[۱۳] یعنی روشن ایسا ہو گا جیسے سورج ہو، مگر تمہیں اس سے کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ بائیبل میں ید بیضا کی ایک اور ہی تعبیر کی گئی ہے جو وہاں سے نکل کر ہمارے ہاں کی تفسیروں میں بھی رواج پا گئی۔ وہ یہ کہ حضرت موسیٰ نے جب بغل میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو پورا ہاتھ برص کے مریض کی طرح سفید تھا، پھر جب دوبارہ (باقی صفحہ ۹ پر)

بڑی نشانیاں دکھلانے والے ہیں۔ اب تو فرعون کے پاس جا، وہ سرکش ہو گیا ہے۔۱۹ ع

موسیٰ نے عرض کیا، پروردگار، میرا سینہ کھول دے،۲۰ اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر دے،

اور میری زبان کی گرہ سلجھا دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں،۲۱ اور میرے لیے میرے اپنے کنبے سے

(بقیہ حاشیہ ۱۸) اُسے بغل میں رکھا تو وہ اصل حالت پر آ گیا۔ یہی تعبیر اس معجزے کی تالمود میں بھی بیان کی گئی ہے اور اس کی حکمت یہ بتائی گئی ہے کہ فرعون کو برص کی بیماری تھی جسے وہ چھپائے ہوئے تھا اس لیے اس کے سامنے یہ معجزہ پیش کیا گیا کہ دیکھ یوں آناً فاناً برص کا مرض پیدا بھی ہوتا ہے اور کافور بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن اوّل تو ذوقِ سلیم اس سے اباء کرتا ہے کہ کسی نبی کو برص کا معجزہ دے کر ایک بادشاہ کے دربار میں بھیجا جائے۔ دوسرے اگر فرعون کو مخفی طور پر برص کی بیماری تھی تو یدِ بیضاء صرف اُس کی ذات کے لیے معجزہ ہو سکتا تھا، اُس کے درباریوں پر اس معجزے کا کیا رعب طاری ہوتا۔ بلا شبہ صحیح بات وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی کہ اس ہاتھ میں سورج کی سی چمک پیدا ہو جاتی تھی جسے دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ قدیم مفسرین میں سے بھی اکثر نے اس کے یہی معنی لیے ہیں۔

۲۰ یعنی میرے دل میں اس منصبِ عظیم کو سنبھالنے کی ہمت پیدا کر دے۔ چونکہ یہ ایک بہت بڑا کام حضرت موسیٰ کے سپرد کیا جا رہا تھا جس کے لیے بڑے دل گردے کی ضرورت تھی، اس لیے آپ نے دعا کی کہ مجھے وہ صبر و ثبات، وہ تحمل، وہ بے خوفی، اور وہ عزم عطا کر جو اس کام کے لیے درکار ہے۔

۲۱ بائیبل میں اس کی جو تشریح بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے عرض کیا "اے خداوند میں فصیح نہیں ہوں، نہ تو پہلے ہی تھا اور نہ جب سے تو نے اپنے بندے سے کلام کیا، بلکہ رک رک کر بولتا ہوں اور میری زبان کند ہے" (خروج ۴ : ۱۰) مگر تالمود میں اس کا ایک لمبا چوڑا قصہ بیان ہوا ہے اس میں یہ ذکر ہے کہ بچپن میں جب حضرت موسیٰ فرعون کے گھر پرورش پا رہے تھے، ایک روز انہوں نے فرعون کے سر کا تاج اتار کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس بچے نے یہ کام بالارادہ کیا ہے یا یہ محض طفلانہ فعل ہے۔ آخر کار یہ تجویز کیا گیا کہ بچے کے سامنے سونا اور آگ، دونوں ساتھ رکھے جائیں۔ چنانچہ دونوں چیزیں لا کر سامنے رکھی گئیں اور حضرت موسیٰ نے اٹھا کر آگ منہ میں رکھ لی۔ اس طرح ان کی جان تو بچ گئی مگر زبان میں ہمیشہ کے لیے لکنت پڑ گئی۔

یہی قصہ اسرائیلی روایات سے منتقل ہو کر ہمارے ہاں کی تفسیروں میں بھی رواج پا گیا۔ لیکن عقل اسے ردّ کرتی ہے۔ بر

ایک وزیر مقرر کر دے، ہارون، جو میرا بھائی ہے۔[۱۵] اس کے ذریعہ سے میرا ہاتھ مضبوط کر اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے، تاکہ ہم خوب تیری پاکی بیان کریں اور خوب تیرا چرچا کریں۔ تو ہمیشہ ہمارے حال پر نگراں رہا ہے۔" فرمایا "دیا گیا جو کچھ تو نے مانگا اے موسیٰ۔ ہم نے پھر ایک مرتبہ تجھ پر احسان کیا۔[۱۶] یاد کرو وہ وقت

(بقیہ حاشیہ ۱۳) ماننے سے انکار کرتی ہے۔ اس لیے کہ اگر بچے نے آگ پر ہاتھ مارا بھی ہو تو یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ وہ انگارے کو اٹھا کر منہ میں لے جا سکے۔ بچہ تو آگ کی جلن محسوس کرتے ہی ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ منہ میں لے جانے کی نوبت ہی کہاں آ سکتی ہے؟ قرآن کے الفاظ سے جو بات ہماری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اندر خطابت کی صلاحیت نہ پاتے تھے اور ان کو اندیشہ لاحق تھا کہ نبوت کے فرائض ادا کرنے کے لیے اگر تقریر کی ضرورت کبھی پیش آئی (جس کا انہیں اس وقت تک اتفاق نہ ہوا تھا) تو ان کی طبیعت کی جھجک مانع ہو جائے گی۔ اس لیے انہوں نے دعا فرمائی کہ یا اللہ میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ میں اچھی طرح اپنی بات لوگوں کو سمجھا سکوں۔ یہی چیز تھی جس کا فرعون نے ایک مرتبہ ان کو طعنہ دیا کہ یہ شخص تو اپنی بات بھی پوری طرح بیان نہیں کر سکتا "وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ" (الزخرف۔ ۵۲)۔ اور یہی کمزوری تھی جس کو محسوس کر کے حضرت موسیٰ نے اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون کو مددگار کے طور پر مانگا۔ سورۂ قصص میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْءًا "میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ زبان آور ہے۔ اس کو میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج"۔ آگے چل کر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی یہ کمزوری دور ہو گئی اور وہ خوب زور دار تقریر کرنے لگے تھے۔ چنانچہ قرآن میں اور بائیبل میں ان کی بعد کے دور کی جو تقریریں آئی ہیں وہ کمال فصاحت و طلاقت لسانی کی شہادت دیتی ہیں۔

یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ہکلے یا تتلے آدمی کو اپنا رسول مقرر فرمائے۔ رسول ہمیشہ شکل صورت، شخصیت اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بہترین لوگ ہوئے ہیں جن کے ظاہر و باطن کا ہر پہلو دلوں اور نگاہوں کو متاثر کرنے والا ہوتا تھا۔ کوئی رسول کسی ایسے عیب کے ساتھ نہیں بھیجا گیا اور نہیں بھیجا جا سکتا تھا جس کی بنا پر وہ لوگوں میں مضحکہ بن جائے یا حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

۱۵ بائیبل کی روایت کے مطابق حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے تین برس بڑے تھے (خروج ۷: ۷)

۱۶ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ایک ایک کر کے وہ احسانات یاد دلائے ہیں جو پیدائش (باقی ص ۳۰ پر)

جبکہ ہم نے تیری ماں کو اشارہ کیا، ایسا اشارہ جو وحی کے ذریعہ سے ہی کیا جاتا ہے، کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ دے اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے۔ دریا اسے ساحل پر پھینک دے گا اور اسے میرا دشمن اور اس بچے کا دشمن اٹھائے گا۔ میں نے اپنی طرف سے تجھ پر محبت طاری کر دی اور ایسا انتظام کیا کہ تو میری نگرانی میں پالا جائے۔ یاد کر جبکہ تیری بہن چل رہی تھی، پھر جا کر کہتی ہے "میں تمہیں اس کا پتہ دوں جو اس بچے کی پرورش اچھی طرح کرے؟" اس طرح ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ رنجیدہ نہ ہو۔ اور (یہ بھی یاد کر کہ) تو نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، ہم نے تجھے اس پھندے سے نکالا اور تجھے مختلف آزمائشوں سے گزارا اور تو مدین کے لوگوں میں کئی سال ٹھیرا رہا۔ پھر اب ٹھیک اپنے وقت پر تو آ گیا ہے اے موسیٰ۔ میں نے تجھ کو اپنے کام کا بنا لیا ہے۔ جا، تو اور تیرا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ۔ اور دیکھو تم میری یاد میں تقصیر نہ کرنا۔ جاؤ فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا، شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔[1]

دونوں نے عرض کیا "پروردگار، ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا پل پڑے گا۔"

فرمایا "ڈرو مت، میں تمہارے ساتھ ہوں، سب کچھ سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ جاؤ اس کے پاس اور کہو کہ ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں، بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کے لیے چھوڑ دے اور ان کو تکلیف نہ دے۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی ہے اس کے لیے جو راہِ راست کی پیروی کرے۔ ہم کو وحی سے بتایا گیا ہے کہ عذاب ہے اس کے لیے جو جھٹلائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰) کے وقت سے لے کر اس وقت تک جو ان پر بیتے تھے۔ ان واقعات کی تفصیل سورۂ قصص میں بیان ہوئی ہے۔ یہاں صرف اشارات کیے گئے ہیں جن سے مقصود حضرت موسیٰ کو یہ احساس دلانا ہے کہ تم اسی کام کے لیے پیدا کیے گئے ہو اور اسی کام کے لیے آج تک خاص سرکاری نگرانی میں پرورش پاتے رہے ہو جس پر اب تمہیں مامور کیا جا رہا ہے۔

[1] آدمی کے راہِ راست پر آنے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو وہ تفہیم و تلقین سے سمجھ کر صحیح راستہ اختیار کرتا ہے، یا پھر برے انجام سے ڈر کر سیدھا ہو جاتا ہے۔

اور مفسد مت بنو۔[1]

[1] اس واقعے کو بائیبل اور تلمود میں جس طرح بیان کیا گیا ہے اسے بھی ایک نظر دیکھ لیجیے تاکہ اندازہ ہو کہ قرآن جیسا انبیاء علیہم السلام کا ذکر کس شان سے کرتا ہے اور بنی اسرائیل کی روایات میں ان کی کیسی تصویر پیش کی گئی ہے۔ بائیبل کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ جب خدا نے موسیٰ سے کہا کہ "اب میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں کہ تو میری قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے" تو حضرت موسیٰ نے جواب میں کہا "میں کون ہوں جو فرعون کے پاس جاؤں اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لاؤں"۔ پھر خدا نے حضرت موسیٰ کو بہت کچھ سمجھایا، ان کی ڈھارس بندھائی، معجزے عطا کیے۔ مگر حضرت موسیٰ نے پھر کہا تو یہی کہا کہ "اے خداوند! میں تیری منت کرتا ہوں کسی اور کے ہاتھ سے جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج" (خروج ۴)۔ تلمود کی روایت اس سے بھی چند قدم آگے جاتی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ کے درمیان سات دن تک اسی بات پر ردوکد ہوتی رہی۔ اللہ کہتا رہا کہ نبی بن۔ مگر موسیٰ کہتے رہے کہ میری زبان ہی نہیں کھلتی تو میں نبی کیسے بن جاؤں۔ آخر اللہ میاں نے کہا میری خوشی یہ ہے کہ تو ہی نبی بن۔ اس پر حضرت موسیٰ نے کہا کہ لوط کو بچانے کے لیے آپ نے فرشتے بھیجے، ہاجرہ جب سارہ کے گھر سے نکلی تو اس کے لیے پانچ فرشتے بھیجے، اور اب اپنے خاص بچوں (بنی اسرائیل) کو مصر سے نکلوانے کے لیے آپ مجھے بھیج رہے ہیں۔ اس پر خدا ناراض ہو گیا اور اس نے رسالت میں ان کے ساتھ ہارون کو شریک کر دیا اور موسیٰ کی اولاد کو محروم کر کے کہانت کا منصب ہارون کی اولاد کو دے دیا۔

بقیہ صفحہ ۴۰۸

تفہیم القرآن کے ہدیوں کے متعلق ضروری اعلان

جو جلدیں اس وقت تک تیار ہو چکی ہیں۔ فرمائشوں کی تعمیل صفحہ ۴۰۸ کے درج شدہ ہدیوں میں کی جا رہی ہے ان کی موجودگی تک انہیں ہدیوں میں کی جاتی رہے گی۔ ان شاء اللہ۔

کیونکہ اس وقت جلد بندی کے میٹریل میں ناقابل برداشت حد تک اضافہ ہو رہا ہے اس لیے موجودہ جلدوں کے ختم ہونے کے بعد ناگزیر حالات کے باعث آئندہ تیار ہونے والی جلدوں میں ضروری حد تک اضافہ کرنا پڑے گا جو موجودہ تیار شدہ جلدوں کے ختم ہونے پر آئندہ کسی اشاعت میں کیا جائیگا۔

دوسری جلد بالکل مکمل ہو چکی ہے۔ کاغذ ملتے ہی فوراً چھپائی شروع ہو جائے گی۔

رسائل و مسائل

استدراک

[ربیع الثانی ۷۲ھ کے "رسائل و مسائل" میں ایک سوال و جواب "گھر، گھوڑے اور عورت میں نحوست" کے عنوان کے تحت شائع ہوا تھا۔ اسے پڑھ کر ایک صاحب نے ذیل کا خط ارسال فرمایا ہے، جسے افادۂ ناظرین کی غرض سے شائع کیا جا رہا ہے۔]

"ترجمان القرآن" میں گھر، گھوڑے اور عورت سے متعلق آپ کا جواب پڑھا جس میں آپ نے اس باب میں وارد شدہ احادیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس حدیث میں نحوست کا وہم پرستانہ مفہوم مراد نہیں ہے، بلکہ تجربی نوعیت کی نحوست مراد ہے۔ اس سلسلے میں میری نظر سے ایک حدیث گزری ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ حدیث کی روایت میں حضرت ابوہریرہؓ کو غالباً کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ حدیث مسند احمدؒ جلد ۶ ص ۲۴۶ و ص ۲۴۰ پر مروی ہے اور امام سیوطیؒ نے اسی حوالے سے اسے اپنی تصنیف "عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ العائشۃ علی الصحابہ" میں بھی نقل کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

عن ابی حسان الاعرج ان رجلین دخلا علی عائشۃ فقالا ان ابا ھریرۃ یحدث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول "انما الطیرۃ فی المرأۃ والدابۃ والدار" فقالت: والذی انزل الفرقان علی ابی القاسم ما ھکذا کان یقول ولکن کان یقول: "کان اھل الجاھلیۃ یقولون الطیرۃ فی المرأۃ والدابۃ والدار"، ثم قرأت عائشۃ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا (الآیہ)

(ترجمہ: ابی حسان الاعرج سے روایت ہے کہ دو آدمی حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور کہا کہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ نحوست عورت، جانور اور مکان

میں ہی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا "اُس خدا کی قسم جس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرقان نازل فرمایا ہے، وہ اس طرح نہیں کہا کرتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ اہل جاہلیت یہ کہتے تھے کہ نحوست اور بدشگونی عورت، جانور اور مکان میں ہوتی ہے" پھر حضرت عائشہؓ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے "کوئی مصیبت بھی نہیں پہنچتی، خواہ وہ زمین میں ہو یا تمہارے نفوس کے اندر ہو، مگر یہ کہ وہ ایک نوشتے میں موجود ہوتی ہے، قبل اس کے کہ ہم ان سب کو پیدا کریں"۔

الکوہل کے مختلف مدارج و اشکال کا حکم

سوال: آپ نے ترجمان میں ایک جگہ الکوہل کے خواص رکھنے والی اشیاء کی حلت و حرمت پر بحث کی ہے۔ اس سلسلے میں بعض امور وضاحت طلب ہیں۔ طبعی اور قدرتی اشیاء میں الکوہل اس وقت پائی جاتی ہے جبکہ وہ تعفین و تخمیر کے منازل خاص طریق پر طے کر چکی ہوں یا بالفاظ دیگر جس شے سے الکوہل حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، اُسے اس قابل بنایا جاتا ہے کہ اس میں الکوہل پیدا ہو جائے۔ جب تک اس میں یہ صلاحیت پیدا نہ ہو جائے، اس وقت تک اس میں الکوہل کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ یہ بات دوسری ہے کہ بعض اشیاء میں الکوہلک صلاحیت زیادہ ہے، بعض میں کم اور بعض میں بالکل نہیں۔ جن اشیاء سے شراب تیار کی جاتی ہے ان میں یہ صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہے۔ اگر ایسی صلاحیت رکھنے والی قدرتی اشیاء میں تخمیر و تعفین کی وجہ سے الکوہل یا نشہ پیدا ہو جائے تو کیا وہ سب حرام ہو جائیں گی؟

جواب:- جن چیزوں کو قصداً الکوہل پیدا کرنے کی خاطر سڑایا جائے، اُن کا استعمال تو الکوہلی کیفیات کے پیدا ہو جانے کے بعد ناجائز ہے۔ البتہ جو چیزیں تعفین کے بعض مراحل سے خود بخود گذری ہوں اُن کا استعمال زیادہ سے زیادہ مکروہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً انگور اور گنڈیریاں جب سرخی مائل ہو جائیں تو ان میں الکوہل پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ مگر یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس حالت میں ان کو کھانا حرام ہے۔ ہاں، اگر کوئی قدرتی چیز بگڑ کر اس حد کو پہنچ جائے

کہ اسے کھا کر نشہ لاحق ہو جاتا ہو تو پھر اس کا استعمال یقیناً ناجائز ہو گا۔

حرام کو حلال کرنے کے لیے حیلہ سازی

سوال:- زید پر حکومت کی طرف سے ناجائز ٹیکس واجب الادا ہیں۔ وہ انہیں مجبوراً ادا کرتا ہے۔ زید نے اس ٹیکس کی بازیافت کا ایک حیلہ سوچا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا کچھ روپیہ بنک یا ڈاک خانہ میں جمع ہے جس پر اسے سود ملتا ہے، جس کا لینا شرعاً ناجائز ہے۔ اگر زید اس نیت سے سود وصول کرے کہ یہ ٹیکس کے عوض میں ہے تو ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب- اس طرح کے بہانوں سے سود لینا جائز نہیں بلکہ دوہرا گناہ ہے۔ اگر بالفرض حکومت کا کوئی ٹیکس ناجائز نوعیت کا ہے اور آپ اسے بکراہت دیتے ہیں تو یہ ایک ظلم ہے جو حکومت آپ پر کرتی ہے لیکن جو سود آپ حکومت کے بنک یا ڈاک خانے سے وصول کریں گے وہ حکومت اپنی جیب سے نہیں لاتی بلکہ لوگوں سے ہی ٹیکسوں یا سود کی شکل میں لوٹ کر کچھ اپنے پاس رکھتی ہے اور کچھ سودی سرمایہ جمع کرانے والوں کو دیتی ہے۔ یہ سود وصول کر کے آپ نے سزا حکومت کو تو نہ دی بلکہ ملک کے دوسرے شہریوں کو دی۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسے ایک شخص نے آپ کا مال چرایا، آپ اسے سزا دینے نکلے اور اس کے گھر میں دوسروں کا جو مال رکھا ہے، اس میں سے کچھ نکال لائے۔

نسخ فی القرآن

سوال:- نسخ کے بارے میں مندرجۂ ذیل سوالات پر براہِ کرم روشنی ڈالیں:

(۱) قرآن میں نسخ کے بارے میں آپ کی تحقیق کیا ہے؟ کیا کوئی آیت مصحف میں ایسی بھی ہے جس کی تلاوت تو کی جاتی ہو مگر اس کا حکم منسوخ ہو۔

(۲) کیا قرآن کی کوئی آیت ایسی بھی ہے جو منسوخ التلاوۃ ہو، مگر اس کا حکم باقی ہو؟ محدثین و فقہا نے آیتِ رجم کو بطورِ مثال پیش کیا ہے۔

(۳) اصولِ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حدیث قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے۔ کیا یہ نظریہ ائمہ فقہا سے ثابت ہے؟ اگر ہے تو اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

جواب: آپ کے سوالات تو مختصر ہیں، مگر ان کے جواب کے لیے تفصیلی بحث کی ضرورت ہے جس کی فرصت مجھے حاصل نہیں ہے۔ اس لیے مجمل جوابات پر ہی قناعت کرتا ہوں۔

(۱) قرآن میں نسخ دراصل تدریج فی الاحکام کی بنیاد پر ہے۔ یہ نسخ ابدی نہیں ہے بمتعدد احکام منسوخہ ایسے ہیں کہ اگر معاشرے میں کبھی ہم کو پھر ان حالات سے سابقہ پیش آجائے جن میں وہ احکام دیے گئے تھے تو انہی احکام پر عمل ہوگا۔ وہ منسوخ صرف اسی صورت میں ہوتے ہیں جبکہ معاشرہ ان حالات سے گزر جائے اور بعد والے احکام کو نافذ کرنے کے حالات پیدا ہو جائیں۔

(۲) میرے نزدیک قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے جو منسوخ التلاوۃ ہو اور بس اس کا حکم باقی ہو۔ آیت رجم جس کا ذکر بعض روایات میں آیا ہے، دراصل ایک دوسری کتاب اللہ یعنی توراۃ کی آیت تھی، نہ کہ قرآن کی۔ اس آیت کے نسخ سے مراد یہ ہے کہ جس کتاب میں یہ آیت تھی، اُس کتاب کو تو منسوخ کر دیا گیا مگر اُس کے رجم کے حکم کو باقی رکھا گیا۔

(۳) بلاشبہ فقہا کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ سنت قرآن کی ناسخ اور اُس پر قاضی ہے، لیکن اس کا مطلب وہ نہیں ہے جو ظاہر الفاظ سے متبادر ہوتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح سے قرآن کا ایک خاص حکم عام ہو سکتا ہے یا ایک عام حکم خاص ہو سکتا ہے، بالکل اسی طرح آپ کی قولی یا عملی تشریح یہ بھی بتاتی ہے کہ کسی خاص آیت کا حکم باقی نہیں رہا ہے۔ اس مفہوم کے علاوہ اگر اس اصول سے کوئی دوسرا مفہوم اخذ کیا گیا ہے تو وہ صحیح نہیں ہے۔

اسلام سے توبہ

سوال۔ مجھے آپ کی تحریک سے ذاتی طور پر نقصان پہنچ رہا ہے۔ میری ایک بہن آپ کی جماعت میں شامل ہو گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جون بدل گئی۔ ہر وقت نماز، تسبیح اور وعظ و نصیحت

سے کام ہے گھر کے افراد کو زبردستی آپ کا ترجمہ قرآن سناتی ہے۔ اگرچہ تعلیم یافتہ ہے لیکن خیالات کے اعتبار سے وہ موجودہ زمانہ کی لڑکی نہیں رہی۔ لباس سادہ اور سفید پہننے لگی ہے۔ جس دن دل چاہے روزہ رکھ لیتی ہے۔ میں اس کے اِس طرز سے نہایت پریشان ہوں۔ رشتہ داروں میں جو سلسلے ہے وہ اس لیے رشتہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا کہ دن رات وعظ کون سنے۔ پرسوں میری خالہ آئی تھیں اُن کو بھی یہی نصیحت کرنے لگیں۔ چند کتابیں اور ایک کیلنڈر آپ کے ہاں کا انہیں دے ہی دیا۔ کل اتوار تھا۔ ہم لوگ سیر کے لیے گئے تھے۔ اس سے بہت کہا لیکن وہ نہ گئی۔ بالکل ولیوں کی زندگی بسر کرنے کے لیے اس ماحول میں گنجائش آخر کس طرح پیدا کی جائے۔ نہ تو اس کی شادی اس طرح ہو سکتی ہے اور نہ اس کے خیالات بدلنا میرے یا کسی کے بس میں ہے۔ اگر اس سے کچھ کہا سنا جائے تو وہ رنجیدہ ہو جاتی ہے۔ بتائیے میں کیا کروں؟

جواب: ۔ اس معاملے میں میں خود بھی بے بس ہوں۔ آپ اپنے طور پر یہی کوشش کریں کہ آپ کی ہمشیرہ اسلام سے توبہ کر لیں۔

تدوینِ قانون میں اکثریت کے مسلک کا لحاظ

سوال: ۔ آپ نے غالباً کہیں لکھا ہے یا کہا ہے کہ ملک میں فقہی مسلک کے لحاظ سے جن لوگوں کی اکثریت ہوگی، قوانین انہی کے فیصلوں کے مطابق بنائے جائیں گے اور قلیل گروہوں (مثلاً پاکستان میں احناف کے بالمقابل شافعیہ، اہل حدیث اور شیعہ وغیرہ) کے لیے پرسنل لاء کی گنجائش رکھی جائے گی۔ اگر آپ کا خیال یہی ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اکثریت اپنے مخصوص مسلک کے آئینہ دار قوانین بنانے کی مجاز ہوگی جو ائمہ مجتہدین کے مجتہدات پر مبنی ہوں گے، یا آپ کی مراد یہ ہے کہ اکثریت سابق مفروضات کے بجائے محض کتاب و سنت کا بے آمیز مطالعہ کرے گی اور جن نتائج پر پہنچے گی انہی کو قانونی جواز حاصل ہو جائے گا؟ پہلی صورت میں قوانین کا ماخذ کتاب و سنت کے بجائے فقہائے کرام کی کتب متداولہ ہوں گی لیکن یہ طریق شاید اسلامی حکومت کے

مزاج کے منافی ہو۔ دوسری صورت میں ان قوانین کا ماخذ کتاب و سنت ہی ٹھہرے گا۔ لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ مخصوص تفقہ کی حامل اکثریت خصوصی ڈگر کو چھوڑ کر کتاب و سنت کا مطالعہ کرے گی اور اس میں موروثی فکر و نظر اور مسلکی عصبیت و حمیت دخیل نہ ہو گی۔ اس تشویش کے اظہار سے میری غرض یہ نہیں ہے کہ فقہائے مجتہدین کے افکار عالیہ سے استفادہ نہ کیا جائے۔ صرف چند الجھنیں جو ذہن میں پیدا ہوتی ہیں، اُن کا حل مطلوب ہے۔

جواب - میں نے جو چیز پیش کی ہے وہ صرف یہ ہے کہ قوانین ملکی کی تدوین و ترتیب کے سلسلے میں حقِ ترجیح اُسی مسلک کو حاصل ہو گا جس کے حق میں اکثریت ہو، اس لیے کہ یہی ایک قابلِ عمل صورت ہے۔ رہی یہ بات کہ اکثریت قوانین کی تدوین میں فقہاء مجتہدین کی فقہ پر اعتماد کرتی ہے یا براہِ راست کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتی ہے تو اس کا فیصلہ کرنا ہمارا آپ کا کام نہیں ہے۔ یہ تو جمہور کے نمائندے ہی طے کریں گے۔ تاہم میرے نزدیک اس امر کا امکان ضرور موجود ہے کہ جب تک ملک میں اسلامی قوانین کی تعلیم اور اُن کے فہم کے لیے لوگوں کی ذہنی تربیت پختہ نہ ہو جائے گی ایک درمیانی دور ایسا یقیناً گزرے گا جس میں لوگوں کے طرزِ عمل میں اضطراب پایا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی وہ فقہ سے استفادہ کریں اور اس میں کوئی پختگی نہ ہو اور کبھی وہ کتاب و سنت سے استفادہ کریں اور اس میں بھی کوئی پختگی نہ ہو۔ "بلوغ" کا دور آنے سے پہلے آغازِ کار میں یہ صورت پیش آنی ناگزیر ہے۔ اسے برداشت کرنا ہی ہو گا۔ آگے چل کر ان شاء اللہ علمی رسوخ اور ذہنی پختگی پیدا ہو جائے گی۔

مطبوعات

VOICE of Islam جمعیۃ الفلاح کراچی کا آرگن۔ بہ ادارت محمد فضل الرحمٰن انصاری چندہ سالانہ دس روپے۔

انگریزی زبان کا یہ شاندار ماہنامہ جمعیت الفلاح کے گوناگوں تہذیبی، معاشرتی، علمی اور تبلیغی مقاصد کا خادم ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی فکر کے احیاء کا علمبردار بن کر نمودار ہوا ہے۔ موجودہ تمدن فاسد کی حقیقت کو واضح کرکے اس کی مرعوبیت و تقلید سے نوجوانوں کو نکالنا اور جدید نظریات کے مقابلے میں زندگی کے ہر اجتماعی مسئلے پر اسلامی نظریات کی برتری کو نمایاں کرنا اس کے اولین مقاصد میں سے ہے۔ اب تک دو نمبروں میں چوٹی کے اہلِ علم کے جو مقالات پیش کیے گئے ہیں وہ بڑے امید افزا ہیں۔ مختلف الخیال اہلِ علم کی تحریروں کے تنوع کے باوجود بہ حیثیتِ مجموعی اسلام کا صحیح سماجی تصور نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔ ظاہری محاسن کا معیار اتنا بلند ہے، جتنا کہ بحالاتِ موجودہ ممکن تھا۔ ہم صدق دل سے اس جریدے کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

ALQAMAR جاری کردہ شیخ عبداللطیف صاحب۔ مقامِ اشاعت: ملائن پریس لاہور۔ چندہ سالانہ للعہ، فی پرچہ ۶ر

یہ ایک اور چھوٹا سا انگریزی ماہنامہ ہے جو اچھے خیالات کے ساتھ نمودار ہوا ہے۔ پاکستان اسلامی ریاست بننے کے لیے جس رفتار سے ارتقاء کر رہا ہے یہ عین اُس کا تقاضا ہے کہ اس طرح کے جریدے اُبھریں اور مستقبل کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اپنے آپ کو مضبوط طاقت بنائیں۔ ہم نے اس جریدے کے تین چار نمبر دیکھے ہیں اور ہر نمبر میں صحیح اسلامی طرزِ فکر کو نمایاں پایا ہے۔ اس وقت جو تازہ شمارہ سامنے ہے اس کے اداریہ میں مسلمان نوجوانوں کو اسلام کے بارے میں انتشار سے نکالنے کے لیے پانچ نکات کا ایک جامع فارمولا پیش کیا گیا ہے۔ یہ ریاضیاتی مزاج کا فارمولا صحیح نقطۂ نظر کو بنانے میں نہایت مفید ثابت ہو سکتا ہے

"دی مینینگ آف دی قرآن" کے مستقل باب میں قرآن کا انگریزی ترجمہ قریب قریب تفہیم القرآن کے خطوط پر پیش کیا گیا ہے۔ توقع کی جاسکتی ہے کہ قرآن کے مروجہ انگریزی ترجموں میں جو بنیادی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں ان کا ازالہ اس کوشش سے ہو جائے گا، بشرطیکہ یہ ہمت آزما کام جاری رکھا جائے۔ پھر نبی صلعم کی چند مختصر احادیث کا ترجمہ سامنے آتا ہے پھر دو مقالات شریک ہیں اور دونوں بامقصد ہیں۔ سوالات و جوابات کا صفحہ بہت دلچسپ اور مفید معلوم ہوتا ہے۔

ہر اشاعت میں چند صفحات اردو تحریروں کے لیے بھی وقف ہیں۔ یہ جدت ہے تو مفید، مگر دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ ایک یہ کہ مختصر سی ضخامت کے جریدے کو دو حصوں میں تقسیم کرنے سے نہ ایک کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں نہ دوسرے کے۔ دوسرے یہ کہ انگریزی خواں طبقے اور اردو داں طبقے کے ذوق بالکل جداگانہ ہیں ان دونوں کے تقاضوں کو ایک ہی جریدے میں پورا کرنا آسان کام نہیں ہے۔ بہر حال ہم اس کوشش کو قابلِ قدر سمجھتے ہیں۔

مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ | مرتبہ: جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب ندوی۔ ناشر: کتب خانہ انجمن ترقی اردو۔ جامع مسجد۔ دہلی ۶۔ قیمت مجلد ۳؍ غیر مجلد ۲؍۔

یہ مجموعہ ہے مولانا محمد الیاس مرحوم کے بعض مکاتیب کا جو مرحوم نے اپنے رفقاء اور دوستوں کے نام وقتاً فوقتاً لکھے۔ ان خطوط میں مولانا کی فکر بھی جھلکتی ہے اور دردمندانہ اسلامی جذبات بھی۔ ہماری رائے میں ان خطوط میں افادیت کے بڑے قیمتی پہلو موجود ہیں اور ان سے علماء اور عوام کو استفادہ کرنا چاہیے۔

رسید کتب

(۱) اسلامی زندگی | مرتبہ مولانا احتشام الحق صاحب کاندھلوی۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو۔ جامع مسجد دہلی قیمت ۴؍

(۲) رہنمائے قاعدہ | مولفہ جناب سلیم عبداللہ صاحب۔ شائع کردہ اردو اکیڈمی سندھ (کراچی) قیمت ۵؍

(۳) اردو زبان کا قاعدہ | مولفہ سید مصطفیٰ حسین صاحب نقوی۔ مطبوعہ لاہور آرٹ پریس قیمت ۲؍

(۴) مدینۃ النبی کی آخری رات | شائع کردہ مجلس سیرت بمبئی۔ بلا قیمت۔

(۵) ماہنامہ "زمانہ" | نوخواندہ بالغوں کے لیے محکمۂ تعلیمات پنجاب کا جریدہ۔ چندہ سالانہ چھ روپے۔ فی پرچہ ۸؍